OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 5, Issue 4 (October-December 2022)

جامع ترمذی کی شرح "تحفة الاحوذی" کے مقدمے میں شیخ مبارکپوری کا منہج: ایک مطالعہ

A Study of the Methodology of Shaykh Mubārakpūrī in the Preface of *"Taḥfat al-Aḥwadhī"* a Commentary on *Jāmi‘ Tirmidhī*

Dr. Rizwan Younas
Lecturer, Department of Islamic Studies., University of Gujrat, Gujrat
Dr. Sanaullah Rana al-Azhari
Associate Professor, Department of Islamic Studies, Bahria University, Islamabad
Dr. Nasir Mahmood
Assistant Professor, Department of Islamic studies, University of Sialkot

Abstract

This article studies the preface of "*Tuhfat al-Ahwadhī*", a well-commentary on "*Jāmi‘ Tirmidhī*" by *Mawlānā Abdur Rahmān MubārakPūrī*, a renowned religious scholar of the sub-continent. It finds that various topics related to *Ḥadīth* have been commented in a beautiful and valuable way by the learned commentator. Various terms used in the books of hadīths, such as the beginning of the commentary with *Bismillāh* and *Alḥamdulillāh*, the discussions related to genealogy, the means and conducts of receiving and preserving traditions, the levels of the means and ways, have been discussed nicely and very comprehensive way. The learned commentator has quoted the sayings of beloved teacher and the early and late scholars in the course of all these discussions. Thus "*Tuhfat al-Ahwadhī*" is the best and comprehensive commentary on "*Jāmi‘*

CC BY

Tirmidhī" that contains immense knowledge and guidance for students and scholars of ḥadīth.

Keywords: Taḥfat al-Aḥwadhī, Jāmi' Tirmidhī, Abdur Rahmān MubārakPūrī, Commentary, Methodology

تمہید

جامع حدیث کی ایسی کتاب کو کہتے ہیں جس میں حدیث کے تمام موضوعات کا لحاظ رکھا گیا ہو اور سنن جو فقہی ترتیب پر ہو ترمذی میں دونوں باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے اگر بعض چیزوں یا اعتراضات کو چھوڑ کر دیکھا جائے تو جامع ترمذی کے فوائد دیگر کتبِ صحاح سے بڑھ کر ہیں ہیں۔ اسی بنا پر ہمارے مدارسِ عربیہ میں اکثر روایت یہ رہی کہ شیخ الحدیث بخاری اور ترمذی دونوں پڑھاتا ہے۔ ایک بڑی بات جو امام ترمذی نے اہتمام سے کی ہے وہ یہ کہ حدیث بیان کرنے کے بعد صحابہ اور ائمہ مجتہدین کا مسلک بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث پر کن کن حضرات کا عمل رہا ہے۔ پھر حدیث کا مقام صحیح، حسن، مشہور، غریب، اور ضعیف وغیرہ بھی بیان کرتے ہیں۔ ایک مسئلہ پر باب میں جو حدیث بیان کرتے ہیں اس کا متعلقہ حصہ ہی بیان کرتے ہیں، ساری حدیث نہیں بیان کرتے اور مخالف و موافق دونوں طرح کی احادیث ذکر کرتے ہیں۔ ایک اور نہایت اہم چیز جو کسی اور محدث کے ہاں نہیں ملتی ۔ یہ ہے کہ امام ترمذی "فی الباب" کہہ کر اس باب میں جتنے صحابہ سے روایت ہو ذکر کرتے ہیں۔ بعد میں آنے والوں نے "فی الباب" کی احادیث کو تلاش کر کے جمع کیا ہے۔ جامع ترمذی غیر معمولی قدر و قیمت کی حامل کتاب ہے۔ امام ترمذی خود بھی اس کی قدر و قیمت سے آگاہ تھے۔ انہوں نے لکھا ہے:

> صنفت هذا الکتاب فعرضته علی علماء الحجاز والعراق والخراسان و رضو به، ومن کان فی بیته هذا الکتاب فکانما فی بیته نبه یتکلم۔[1]
>
> "میں نے یہ کتاب تصنیف کی اور پھر اسے حجاز، عراق اور خراسان کے علما کے سامنے پیش کیا، انہوں نے اسے پسند فرمایا۔ جس گھر میں یہ کتاب ہو اس میں گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں اور گفتگو فرماتے ہیں۔"

جامع ترمذی کی جتنی شرحیں لکھی گئی ہیں اتنی شاید ہی کسی اور کتاب کی لکھی گئی ہوں۔ چند مشہور شروحات میں مالکی فقیہ ابو بکر بن العربی کی عارضۃ الاحوذی، علامہ سراج الدین بلقینی کی العرف الشذی اور عبد الرحمٰن مبارکپوری کی تحفۃ الاحوذی شامل ہیں۔ ان سطور میں اسی آخری شرح کے مقدمے کا مطالعہ پیش کیا جارہا ہے۔

تحفة الاحوذی اور اس کے مولف

تحفۃ الاحوذی کے مولف مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری ہیں۔ آپ کا پورا نام ابو علی محمد بن عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم مبارکپوری ہے۔ آپ 1283ھ میں پیدا ہوئے اور 1353ھ میں وفات پائی۔ آپ کا تعلق ہندوستان کے ایک قصبے اعظم گڑھ کے گاؤں مبارکپور سے تھا۔ آپ کے اساتذہ میں نذیر حسین محدث دہلوی اور علامہ شمس الحق عظیم آبادی ایسے بڑے بڑے علما شامل ہیں۔ نذیر حسین محدث سے استفادے کا ذکر کرتے ہوئے تحفۃ الاحوذی کے مقدمے میں مولانا خود لکھتے ہیں:

> انی قرات جامع الترمذی من اوله الی آخره علی شیخنا العلامه نذیر حسین المحدث الدهلوی،رحمه الله سنة ست بعدالف وثلاثمائة من الهجرةالنبوية، فی

دھلی،فاجازنی به ،و بجمیع ما قرات علیه من کتب الحدیث و غیرها،وکتب لی الاجازةبخطه الشریف۔[2]

"میں نے جامع ترمذی شروع سے آخر تک ہمارے شیخ علامہ نذیر محدث دہلوی رحمہ اللہ کے سامنے 1306ھ میں دہلی میں پڑھی۔انہوں نے مجھے اس کی اور ان تمام کتبِ حدیث وغیرہ کی اجازت دی،جو میں نے ان کے سامنے پڑھی،اور انہوں نے میرے لیے اپنے دست مبارک سے اجازت تحریر کی۔"

تحفۃ الاحوذی جامع ترمذی کی نہایت معروف اور اہم شرح ہے۔بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی تحفۃ الاحوذی سنن ترمذی کی اتنی ہی اچھی شرح ہے جتنی صحیح بخاری کی فتح الباری ہے۔جامع ترمذی کی اس سے بہتر کوئی اور شرح موجود نہیں ہے اور یہ برصغیر کے ایک صاحب علم کا اتنا بڑا کارنامہ ہے جو دنیائے اسلام میں سمجھا بھی جاتا ہے اور اس کا اعتراف بھی کیا جاتا ہے۔اس کتاب کا بیروت، تہران مصر، ہندوستان، پاکستان اور کئی دوسری جگہوں پر بارہا چھپنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کتاب کو دنیاے اسلام میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ہے۔برصغیر میں اس کا جو ایڈیشن شائع ہوا تھا وہ پانچ جلدوں میں ہے۔عرب دنیا میں شائع ہونے والے ایڈیشنوں کی جلدیں مختلف ہیں۔کوئی سولہ جلدوں میں ہے، کوئی پندرہ میں اور کوئی بیس میں۔لیکن یہ ترمذی کی بہترین شرح ہے اور اگر کوئی اس سے اتفاق نہ کرے کہ یہ جامع ترمذی کی بہترین شرح ہے، تو یہ بلا شک وشبہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب جامع ترمذی کی چند بہترین شرحوں میں یقیناً ہے اور اس سے کوئی اختلاف نہیں کرے گا۔[3]

مقدمہ تحفة الاحوذی

دارالفکر بیروت کی طرف سے شائع ہونے والی تحفۃ الاحوذی کا جو نسخہ اس وقت ہمارے سامنے ہے اس میں اس کا مقدمہ دو ابواب میں ہے، جو عبدالرحمٰن محمد عثمان کی تحقیق و تصحیح کے ساتھ چھپا ہے اور پہلی دو جلدوں پر مشتمل ہے۔پہلے باب میں شارح نے علم حدیث، اس کی اصطلاحات اور کتب وغیرہ جبکہ دوسرے باب میں امام ترمذی اور آپ کی جامع کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ پہلے باب کا عنوان:فیما یتعلق بعلم الحدیث وکتبه و اهله عموماً و فیه احد و اربعون فصلاً ہے اور دوسرے کا:فی فوائد خاصة متعلقة بالامام الترمذیو جامعه و فیه سبعة عشر فصلاً۔شرح کی پہلی جلد جس کے محقق عبدالوہاب عبداللطیف ہیں، کی ابتدا میں بھی شارح نے اپنی شرح سے متعلق کچھ اہم امور ذکر کیے ہیں۔ان سب کا مطالعہ اوراس ضمن میں شیخ مبارکپوری کا اسلوب و منہج سطورِ ذیل میں مختلف عنوانات اور نکات کی شکل میں اختصار کے ساتھ پیش ہے:

علمِ حدیث کا مفہوم اور غرض وغایت

صاحبِ تحفۃ الاحوذی نے پہلے باب کے شروع میں علمِ حدیث کے معنی ومفہوم اور غرض وغایت پر روشنی ڈالی ہے۔فصل اول میں فی حد علم الحدیث و موضوعه وغایته کے عنوان کے تحت لکھا ہے:

قال الکرمانی فی شرح البخاری: اعلم ان علم الحدیث موضوعه: ذات رسول الله صلی الله علیه وسلم من حیث انه رسول الله۔ وحده : هو علم یعرف به اقوال رسول الله صلی الله علیه وسلم وافعاله و احواله۔و غایته : هو الفوز بسعادة الدارین۔[4]

"کرمانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ علم حدیث کا موضوع بحیثیتِ رسول خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔اس سے مراد وہ علم ہے جس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال

وافعال اور احوال کی معرفت حاصل کی جاتی ہے اور اس کی غایت دونوں جہاں کی سعادت کے ساتھ فوزو فلاح ہے۔"

اکفانی کی ارشاد المقاصد کے حوالے سے علم حدیث کی دو قسمیں علم الروایۃ اور علم الدرایۃ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

علم الرواية الحديث علم ينقل اقوال النبى صلى الله عليه وسلم وافعاله بالسماع المتصل و ضبطها وتحريرها۔ وعلم الدراية الحديث علم يتعرف منه انواع الرواية و احكامها و شروط الرواة واصناف المرويات واستخراج معانيها۔[5]

"روایت حدیث وہ علم ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال افعال کو سماعِ متصل اور ضبط و تحریر کے ساتھ نقل کرتا ہے۔ اور علم درایت وہ علم ہے جس میں روایات کی اقسام و احکام، رواۃ کی شرائط اور مرویات کی اقسام اور ان کے معانی کی معرفت حاصل کی جاتی ہے۔"

علمِ حدیث کی فضیلت اور حجیت کی بحث

فصل دو سے پانچ تک شارح نے علم حدیث کی فضیلت بیان کی ہے اور اس کی کتابت وحجیت پر بحث کی ہے۔ علمِ حدیث کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علمِ حدیث علومِ شریعت کی چابی، اسلام کی اساس و بنیاد، فنونِ دینیہ کا ماخذ، حکمتوں کا منبع ہے۔[6] حجیتِ حدیث کے ضمن میں شارح قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہیں، مثلاً فصلِ خامس کے شروع میں آیت قرآنی وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[7] سے دلیل لائی ہے۔[8] اگلی تین فصول میں علمِ حدیث کی عجم و ہند میں اشاعت کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہاں بھی یہ علم بہت پھیلا اور اس علم پر بے شمار تصنیفات منصۂ شہود پر آئیں[9] اور ان تصنیفات کے اغراض مختلف تھے۔

کتبِ حدیث کی اقسام

شارح نے مقدمہ تحفۃ الاحوذی کی فصل دس سے لے کر چوبیس تک کتب حدیث کی مختلف انواع کا ذکر کیا ہے، جن میں المسانید ،المعاجم، الاجزا، الاربعون، المستخرجات، المستدرکات، العلل، الاطراف، الاشراف، سنن، المسلسلات، الامالی، صحاح ستہ، صحاح ستہ کے علاوہ صحاح مثلاً صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابی عوانہ، صحیح ابن السکن، صحیح الاسماعیلی، صحیح المستدرک، کتب آئمہ اربعہ یعنی مسند الامام ابی حنیفہ، موطا الامام مالک، مسند الشافعی، مسند احمد بن حنبل، کتب آئمہ حنفیہ مثلاً کتاب الآثار للامام محمد، شرح معانی الآثار وغیرہ شامل ہیں۔[10]

اصولِ حدیث کی بحث

ستائیسویں فصل میں علمِ اصول حدیث پر کتب کا تذکرہ ہے۔ مصنف نے اصول حدیث پر سب سے بڑی کتاب علوم الحدیث لابن الصلاح کو قرار دیا ہے۔ بعد ازاں اصول حدیث کی دیگر کتابوں مثلاً تقی الدین محمد بن علی بن وہب المنفلوطی کی الاقتراح، زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی کی الفیۃ الحدیث نیز الخلاصۃ فی اصول الحدیث، المختصر للجرجانی، نخبۃ الفکر، تذکرہ فی علوم الحدیث کا ذکر کیا ہے۔[11]

اسماء الرجال اور جرح و تعدیل

پہلے باب کی پچیسویں اور چھبیسویں فصل میں مصنف نے اسماء الرجال اور جرح و تعدیل اور ان سے متعلق کتب کا تذکرہ کیا ہے۔ اسماء الرجال کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

اعلم ان علم رجال الاحادیث نصف العلم الحدیث کما صرح به العراقی فی شرح الالفیة عن علی بن المدینی فانه سند و متن والسند عبارة عن الرواة فمعرفة احوالها نصف العلم علی ما لا یخفی ۔[12]

"رجال حدیث کا علم نصف علمِ حدیث ہے جیسا کہ عراقی نے شرح الفیہ میں علی بن المدینی سے نقل کیا ہے اور یہ سند اور متن کا نام ہے اور سند رواۃ سے عبارت ہے اور رواۃ کے احوال کی معرفت کا نصف علم ہونا واضح ہے۔"

اسماء الرجال کی کتب کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے بخاری، مسلم، سنن ابی داود اور کتب ستہ کے اسماء رجال پر لکھی جانے والی کتب اور اس کے بعد آئمہ جرح وتعدیل اور اس ضمن میں لکھی گئی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

غریب الحدیث، شرح کتبِ حدیث

اٹھائیسویں فصل میں کتب غریب الحدیث اور انتیسویں فصل میں شروح حدیث کا تذکرہ ہے۔ شروح حدیث میں مشارق الانوار علی صحاح الآثار، مطالع الانوار، شروح صحیح البخاری: فتح الباری، عمدۃ القاری، اعلام السنن للخطابی، شرح ابن بطال، شرح ابن التین، شرح ابن المنیر، التلویح للحافظ مغلطائی، الکواکب الدراری للکرمانی، شواہد التوضیح لابن الملقن، التنقیح للزرکشی، ارشاد الساری للقسطلانی، الامع الصبیح للبرماوی، شرح النووی، شرح ابن رجب الحنبلی، فیض الجاری لابن رسلان البلقینی، شروح صحیح مسلم: المنہاج فی شرح مسلم بن الحجاج للنووی، الاکمال فی شرح مسلم للقاضی عیاض، المعلم فی فوائد کتاب مسلم للمازری، المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم للقرطبی، اکمال المعلم لابن خلیفہ، المفہم فی شرح غریب مسلم لعبد الغافر بن اسماعیل الفارسی، شرح شمس الدین ابی المظفر، شرح ابی الفرج عیسی بن مسعود الزواوی، شرح القاضی زین الدین زکریا الانصاری، الدیباج علی صحیح مسلم الحجاج للسیوطی، شرح الحافظ ابی القاسم الاصبہانی، شرح تقی الدین الحصنی الدمشقی، منہاج الابتہاج بشرح مسلم بن الحجاج للقسطلانی، شرح علی القاری، مختصرات صحیح مسلم اور سنن ابی داود، نسائی، ابن ماجہ، موطا مالک اور مصابیح کا ذکر ہے۔[13]

احکام، مختصرات، تخریج

تیسویں فصل میں احکام، اکتیسویں میں مختصرات اور بتیسویں فصل میں تخریج الاحادیث سے متعلق کتب کا ذکر ہے۔ احکام سے متعلق کتب میں بلوغ المرام للحافظ ابن حجر اور اس کی شروح، منتقی الاخبار، الاحکام الکبری لعبد الحق الاشبیلی، الاحکام الکبری لمحب الدین الطبری، الاحکام الصغری لابن کثیر، عمدۃ الاحکام لابی محمد عبد الغنی المقدسی، شروح العمدہ، المنتقی فی الاحکام لابن الجارود، مختصرات میں مشارق الانوار النبویۃ، شروح مشارق الانوار، الجامع الصغیر للسیوطی، شروح الجامع الصغیر اور تخریج الاحادیث میں لکھی جانے والی کتب میں نصب الرایۃ لزیلعی، الدرایۃ للحافظ ابن حجر، تخریج احادیث الہدایۃ لابن الترکمانی، تخریج احادیث احیاء العلوم، تخریج احادیث تفسیر البیضاوی، تخریج احادیث الکشاف، تخریج کتاب الطریق المحمدیہ، التلخیص الجبیر، تخریج الاربعین النوویۃ، ہدایۃ الرواۃ الی تخریج المصابیح والمشکاۃ، تخریج احادیث الخلاصۃ، تخریج احادیث منہاج الاصول اور تخریج احادیث شرح عقائد النسفی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔[14]

موضوعات، ناسخ ومنسوخ، تلفیق، انساب وغیرہ

فصل تینتیس سے اکتالیس تک ان کتبِ احادیث کا بیان ہے جو موضوعات، ناسخ ومنسوخ، تلفیق، انساب، وفیات، اسماء صحابہ وغیرہ سے متعلق ہیں۔ باب کی آخری یعنی اکتالیسویں فصل میں قلمی کتابوں کا ذکر ہے، لیکن یہ کتابیں اب شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔[15]

امام ترمذی اور جامع ترمذی

مقدمہ تحفۃ الاحوذی کی سترہ فصول میں سے سولہ فصول امام ترمذی اور جامع ترمذی کے بارے میں ہیں اور پہلی جلد کے بقیہ حصے سے لے کر دوسری جلد کے اکثر حصے کو محیط ہیں۔ اس میں شارح نے امام ترمذی سے متعلق آئمہ جرح وتعدیل کی آرا اور بحثیں نقل کی ہیں نیز جامع ترمذی کی احادیث کی حیثیت واہمیت پر بحث کی ہے۔[16] ترمذی اور جامع کا بیان اوپر آچکا ہے۔ لہٰذا اس کے تفصیلی تذکرے کی حاجت نہیں۔

شرح میں مستعمل بعض الفاظ کی تشریح

دوسرے باب کی آخری یعنی سترہویں فصل میں شارح نے اپنی شرح میں استعمال ہونے والے بعض الفاظ اور اصطلاحات کی وضاحت کی ہے۔ مثلاً حافظ اور فتح کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

> فمنہا لفظ الحافظ: فاذا الطلقناوقلنا قال الحافظ او صرح الحافظ اوعند الحافظ مثلاً فالمراد به الحافظ ابن حجر العسقلانی۔۔۔ومنہا لفظ الفتح فاذا قلنا کذا فی الفتح او قال الحافظ فی الفتح مثلاً فالمراد به فتح الباری شرح صحیح البخاری للحافظ ابن حجر العسقلانی۔[17]
>
> " اور ان (الفاظ و اصطلاحات) میں سے ایک الحافظ ہے، سو جب ہم مطلقاً لفظ حافظ استعمال کریں تو اس سے مراد حافظ ابن حجر عسقلانی ہوں گے۔۔۔ اور ان میں سے ایک لفظ الفتح ہے، سو جب ہم کہیں جیسا کہ فتح میں ہے یا حافظ نے فتح میں کہا تو اس سے مراد ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح صحیح البخاری ہو گی۔"

فی الباب اور لم اقف علیہ

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، امام ترمذی نے اپنی جامع میں "فی الباب" کے تحت جن اصحاب اور ان کی مرویات کا حوالہ دیا ہے، مولانا عبدالرحمن مبارکپوری نے اپنی شرح میں ان کی تخریج کی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے اکثر و بیشتر کو واضح کر دیا ہے، لیکن کچھ سے متعلق کہا ہے: لم اقف علیه، یعنی میں اس سے واقف نہیں۔ بعض لوگوں نے اس پر کام کیا ہے۔ ہماری یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے اس موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے۔ جس میں لم اقف علیه سے متعلق روایات کی تخریج کی ہے۔

شرح کی ابتدا اور تسمیہ

شرح کے شروع میں مولانا مبارکپوری نے اللہ کی حمد وثنا کے ساتھ شرح کی ابتدا اور اس کے تسمیہ یعنی نام رکھنے کا تذکرہ کیا اور اللہ رب العزت سے اس کی قبولیت اور لوگوں کے لیے نفع رساں بنانے کی دعا کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> الحمد لله۔۔۔انی قد فرغت بعونه تعالیٰ من تحریر المقدمة التی کنت اردت ایرادها فی اول شرحی لجامع الترمذی، والآن قد حان الشروع فی تحریر الشرح، وفقنی الله تعالیٰ لاتمامه، واعاننی بفضله و کرمه وسمیته (تحفة الاحوذی بشرح جامع الترمذی) ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم، وانفع به کل من یرومه من الطالب المبتدی والراغب المنتہی،واجعله لنا من الباقیات الصالحات، ومن الاعمال التی لا تنقطع بعد الممات۔[18]

"الحمد للہ۔۔۔میں اللہ کی مدد واعانت سے اس مقدمے کی تحریر سے فارغ ہو گیا ہوں جو میں جامع ترمذی کے شرح کے شروع میں رکھنا چاہتا تھا۔اب شرح کی تحریر کا وقت آ گیا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے اس سلسلے میں میری مدد فرمائے اور میں نے اس کا نام "تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی" رکھا ہے۔اے ہمارے رب اسے قبول فرما، بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے، اور اسے ہر طالب علم اور عالم کے لیے نفع بخش، باقی رہنے والی نیکی اور بعد از ممات جاری رہنے والا عمل بنا"

استادِ گرامی سے اجازتِ حدیث کا تذکرہ

صاحبِ تحفہ الاحوذی نے کتاب کے مقدمے کا آغاز تسمیہ و دعا سے کرنے کے بعد اپنے استادِ گرامی سے احادیث روایت کرنے کی اجازت کا ذکر کیا اور بیان کیا ہے کہ روایت کرنے کی یہ اجازت کیسی اور کس نوعیت کی ہے؟ اس سلسلے میں انہوں نے نذیر حسین محدث کے سامنے جامع ترمذی کو شروع سے آخر تک پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔پھر اس کے بعد محدث مذکور کے الفاظ میں ان کی اجازت درج کی ہے۔نذیر حسین محدث لکھتے ہیں:

"ان المولوی الذکی ،اباالعلی،محمد عبد الرحمن بن الحافظاالحاج عبدالرحیم الاعظم کدھی،المبارکفوری،قد قرا علی صحیح بخاری و صحیح مسلم و جامع ترمذی وسنن ابی داودکل واحدۃ منه بتمامه و کماله ، و آواخرالنسائی،و اوائل ابن ماجه ،و مشکاۃ المصابیح،و بلوغ المرام،وتفسیرِ جلالین،و تفسیر بیضاوی،واوائل الهدایه و اکثر شرح نخبة الفکر، و سمع ترجمة القرآن المجیدالا ستة الاجزا،فعلیه ان یشتغل باقرا الکتب المذکوره، و الموطاو السنن الدارمی و المنتقی،وغیرها من کتب الحدیث و التفسیر والفقه،و تدریسها،وانه اهلهابالشروط المعتبرۃ عند اهل الحدیث،انی حصلت القراۃ و السماعۃوالاجازۃ عن الشیخ المکرم الاورع البارع فی الآفاق محمد اسحق المحدث الدهلوی رحمه الله تعالی، وهو حصل القراۃ والسماعۃ و الاجازۃ عن الشیخ الاجل مسند الوقت الشاه عبدالعزیز المحدث الدهلوی رحمه الله تعالیٰ ،وهو حصل القراۃ والسماعۃ والاجازۃ عن الشیخ القرم المعظم بقیة السلف وحجة الخلف الشاه ولی الله المحدث الدهلوی رحمه الله تعالیٰ ،وباقی السند مکتوب عنده۔"[19]

"مولوی ذکی ابو علی محمد عبد الرحمٰن بن الحاج عبد الرحیم اعظم گڑھی مبارکپوری نے صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داوٗد تمام کی تمام، نسائی کا آخری حصہ، ابن ماجہ کا اوائل، بلوغ المرام، تفسیر جلالین، تفسیر بیضاوی، اوائلِ ہدایہ، شرح نخبۃ الفکر کا اکثر حصہ میرے سامنے پڑھا اور سات اجزا کے سوا پورا قرآن مجید سنا، وہ مذکورہ کتب، موطا، دارمی، المنتقی وغیرہ کتب حدیث و تفسیر و فقہ پڑھیں پڑھائیں ،وہ اہل حدیث کی شروطِ معتبرہ کے مطابق اس کے اہل ہیں۔اور میں نے سماعت و قرات اور اجازت شیخ مکرم و متقی محمد اسحاق محدثِ دہلوی سے حاصل کی، انہوں نے شیخ الاجل مسند وقت شاہ عبد العزیز سے

اور انہوں نے بقیۃ السلف حجۃ الخلف شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے اجازت حاصل کی، باقی سند ان کے پاس لکھی ہوئی ہے۔"

بعد ازاں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے شاہ ولی اللہ کی زبانی ان کی سند بیان کی ہے اور آگے چل کر شیخ حسین بن محسن االانصاری سے اپنی اس سند کا ذکر کیا ہے، جو آپ نے جامع ترمذی وغیرہ بنیادی کتابوں سے متعلق ان سے حاصل کی اور اس کے بعد ان کی زبانی خود کو ملنے والی اجازت کی تفصیل بیان کی ہے۔

بسملۃ اور اس کے حوالے سے علما کی آرا کی بحث

سند کی تفصیلات ذکر کرنے کے بعد شارح نے اپنی کتاب بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرنے کا تذکرہ کیا ہے اور اس کی فضیلت اور اس کے لیے بسملۃ کے استعمال کے حوالے سے علما کے مختلف اقوال ذکر کیے ہیں۔ اپنی کتاب کو بسملۃ سے شروع کرنے کی بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

افتتح الکتاب بالبسملة اقتداء بکتاب الله العظیم ،و اقتفاء بکتب نبیه الکریم، وعملاً بحدیثه فی بداة کل امر ذی بال ببسم الله الرحمن الرحیم۔و هو ما اخرجه الحافظ عبدالقادر فی اربعینه من حدیث ابی هریره مرفوعاً (کل امر ذی بال لا یبدا ببسم الله الرحمٰن الرحیم فهو اقطع) واقتصر المصنف علی البسملة کلامام البخاری فی صحیحیه واکثر المتقدمین فی تصانیفهم۔"[20]

"میں اللہ اور اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کتابوں کی اقتدا و تتبع میں کتاب کی ابتدا بسملۃ سے کر رہا ہوں۔ یہ اس حدیث کے مطابق عمل ہے جس میں ہر عمل کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کرنے کی تعلیم دی گئی ہے، اور جس کی تخریج حافظ عبدالقادر نے اپنی اربعین میں حضرت ابو ہریرہ سے کی ہے اور مرفوع حدیث ہے کہ ہر وہ کام جس کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے نہ ہو بے نتیجہ رہتا ہے۔ اور مصنف نے بسملۃ پر اکتفا کیا ہے جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں کیا ہے اور اکثر متقدمین نے اپنی کتابوں میں۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے لیے بسملۃ کے اختصار کے استعمال کو اختیار کرنے اور اس کے امام بخاری اور دیگر متقدمین کی کتابوں سے دلیل پکڑنے کے بعد مصنف نے حمد، خطبہ اور بسم اللہ کے اختصار پر مختلف علما کی آرا نقل کی ہیں اور اس بات پر تفصیلی بحث کی ہے ان کے نزدیک یہ اختصار اصل کلمات کا قائم مقام ہے یا نہیں۔ آگے چل کر مصنف نے صاحبِ فتح الباری کی یہ بات نقل کی ہے کہ متقدمین کا اس میں اختلاف ہے کہ شعر کی ابتدا میں بسم اللہ لکھی جا سکتی ہے یا نہیں۔ لکھتے ہیں:

قال الحافظ فی الفتح : اختلف القدما فیما اذا کان الکتاب کله شعراً،فجا ء عن الشعبی منع ذلک ،یعنی کتابة بسم الله الرحمٰن الرحیم فی اوله ، وعن الزهری قال :مضت السنة ان لا یکتب فی الشعر بسم الله الرحمٰن الرحیم، وعن سعید بن جبیر جواز ذلک ،وتابعه علی ذلک الجمهور۔[21]

"حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ جب کتاب تمام کی تمام شعر ہو تو اس کے شروع میں بسم اللہ لکھنے یا نہ لکھنے پر متقدمین میں اختلاف ہے۔ شعبی اس سے منع کرتے ہیں۔ زہری کے نزدیک شعر میں بسم اللہ نہ لکھنے کی روایت ہے۔ سعید بن جبیر جواز کے قائل ہیں اور جمہور نے ان کی رائے اختیار کی ہے۔"

تحملِ حدیث اور اس کا صیغہ

صاحبِ تحفۃ الاحوذی نے اپنے استادِ گرامی سے تحملِ حدیث کے لیے قرات کا صیغہ استعمال کیا ہے اور محدثین کے نزدیک تحملِ حدیث کے طرق کے صیغوں میں پہلا درجہ سمعت کا، دوسرا قرات کا اور اس کے بعد دوسرے صیغوں کے درجات ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں:

"انی قرات جامع الترمذی من اوله الی آخره علی شیخنا العلامه نذیر حسین المحدث الدهلوی، رحمه الله "[22]

رجال کے انساب پر بحث

مصنف موصوف نے اپنے مقدمے میں مختلف رجال کے انساب پر بھی گفتگو کی ہے اور راویوں کے اپنے علاقوں یا قبیلوں وغیرہ سے انتساب کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں ایک مقام پر انہوں نے حافظ ابن الصلاح کے اس بیان کا تذکرہ کیا ہے جس میں وہ اہل عرب کے قبائل سے اوطان کی طرف انتساب اور اس کے اسباب و وجوہ کا ذکر کرتے ہیں۔ لکھا ہے:

"قال حافظ ابن الصلاح فی مقدمته:قد كانت العرب انما تنسب الی قبائلها،فلما جاء الاسلام وغلب علیهم مسكن القرى والمدائن حدث فیما بینهم الانتساب الی الاوطان واضاع كثيرا منهم انسابهم فلم يبق لهم غير الانتساب الی الاوطان، قال ومن كان من الناقلة من بلد الی بلد و اراد الجمع بينهمابالانتساب فليبدا باالاول ثم بالثانی المنتقل اليه-و حسن ان يدخل الی الثانی كلمة(ثم) فيقال فی الناقلة من مصر الی دمشق مثلا(فلان مصری ثم الدمشقی)"[23]

"حفظ ابن الصلاح اپنے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ عرب اپنے انساب قبائل کی طرف منسوب کرتے تھے لیکن اسلام آنے کے بعد ان پر دیہات و شہروں کی رہائش کی نسبت غالب آگئی اور انہوں اپنا انتساب اوطان کی کرنا شروع کر دیا اور ان میں سے اکثر نے اپنے انساب ضائع کر دیے اور اوطان کے علاوہ انکے انساب کا کوئی طریقہ نہ رہا اور جو کوئی ایک شہر سے دوسرے کی طرف منتقل ہوا اور دونوں کو جمع کرنا چاہا تو اولاً پہلے کو ذکر کیا اور پھر اس کو جس کی طرف منتقل ہوا تھا، تو دوسرے سے پہلے ثم کا لفظ لگایا۔ مثلاً مصر سے دمشق منتقل ہونے والے کے انتساب کی صورت یہ ہوگئی:فلان مصری ثم الدمشقی۔"

خلاصۂ بحث

تحفۃ الاحوذی جامع ترمذی کی معروف کمنٹری ہے، جو برصغیر کے ایک معروف عالم دین مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری کی تالیف ہے۔ ان سطور میں اس معروف شرح کے مقدمے اور اس میں شیخ مبارکپوری کے اختیار کردہ اسلوب و منہج کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس ارٹیکل کا حاصل یہ ہے کہ مولانا عبد الرحمن مبارک پوری نے اپنی شرح کے مقدمے میں اپنی سند، کتب احادیث میں استعمال ہونے والی مختلف اصطلاحات مثلاً بسملۃ والحمد اللہ سے شرح کا آغاز، انساب کی بحث، تحملِ حدیث کے طرق، طرق کے درجات، اور اپنے استاد گرامی سے روایت وغیرہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور ان تمام مباحث کے سلسلہ میں متقدمین و متاخرین کے اقوال نقل کیے ہیں۔ یہ جامع ترمذی کی بہترین شرح ہے۔ حدیث کے طلبہ و علما کے لیے اس میں علم و رہنمائی کا بے پناہ سامان ہے۔ انہیں اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنا چاہیے۔

References

[1]Ṣubḥī al-Ṣāliḥ, *'Uloom al-Ḥadees wa Muṣṭalaḥu* (Beirūt: Dār al-'Ilm al-Malāyeen, 2012), 400.
[2] Mowlānā 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī Shraḥ Jāmi' Tirmzī*, ed. 'Abd al-Raḥmān 'Abd al-Laṭīf (Beirūt: Dār al-Fikr, n.d), I:3.
[3] Dr. Maḥmood Ahmad Ghāzī, *Maḥādhrāt-e-Ḥadees* (Lahore: Al-Faisal, 2008), 430.
[4] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī Shraḥ Jāmi' Tirmzī*, I:4.
[5] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī Shraḥ Jāmi' Tirmzī,* I:5.
[6] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī Shraḥ Jāmi' Tirmzī,* I:10-39.
[7] Al-Ḥahar 59:7.
[8] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī Shraḥ Jāmi' Tirmzī,* I:40.
[9] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī Shraḥ Jāmi' Tirmzī,* I:41-64.
[10] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī Shraḥ Jāmi' Tirmzī,* I:64-191.
[11] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī Shraḥ Jāmi' Tirmzī*, I:64-191.
[12] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī Shraḥ Jāmi' Tirmzī,* I:191-192.
[13] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī Shraḥ Jāmi' Tirmzī*, I:191-265.
[14] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī Shraḥ Jāmi' Tirmzī*, I:266-287.
[15] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī*, I:287-336.
[16] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī*, I:336-484, 2:3-183.
[17] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī*, 2:174.
[18] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī*, I:128-191.
[19] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī*, I:4-5.
[20] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī*, I:9.
[21] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī*, I:11-12.
[22] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī*, I:3.
[23] 'Abd al-Raḥmān Mubārakpūrī, *Tuḥfat al-Aḥwazī*, I:12.